نیتوں اور مالی معاملات کو درست کریں۔کشتی نوح کی تعلیم پر عمل کر کے ہی طوفان نوح سے نجات ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴/اکتوبر ۱۹۸۸ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات تلاوت کیں:۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِيۡهَا مِنۡ
كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ وَ
مَنۡ اٰمَنَ ‌ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلٌ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ ارۡكَبُوۡا فِيۡهَا
بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡر۪ٮٰهَا وَمُرۡسٰٮهَا ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَـغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۴۲﴾
وَهِىَ تَجۡرِىۡ بِهِمۡ فِىۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ قف وَنَادٰى نُوۡحُ ۨابۡنَهٗ
وَكَانَ فِىۡ مَعۡزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارۡكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۳﴾
قَالَ سَاٰوِىۡۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعۡصِمُنِىۡ مِنَ الۡمَآءِ‌ ؕ قَالَ لَا
عَاصِمَ الۡيَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ‌ ۚ وَحَالَ بَيۡنَهُمَا
الۡمَوۡجُ فَكَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِيۡنَ ﴿۴۴﴾

(ھود: ۴۱-۴۴)

سورۃ ہود کی جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان کا ترجمہ یہ ہے کہ یہاں تک جب ہمارا عذاب کا حکم آجائے اور چشمے پھوٹ پڑیں تو ہم کہیں گے قُلۡنَا احۡمِلۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ

کہ تو ہر قسم کے جوڑے جانوروں میں سے اپنے ساتھ لے لے اور اپنے خاندان کے افراد کو بھی سوائے ان کے جن کے متعلق خدا تعالیٰ کی تقدیر پہلے سے ظاہر فرما دی گئی ہے۔ وَمَنْ اٰمَنَ اور ان کو بھی ساتھ لے لے جو تجھ پر ایمان لائے ہیں۔ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ لیکن افسوس کہ بہت کم تھے ایسے جو حضرت نوحؑ پر ایمان لائے تھے۔ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّىْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ چنانچہ جب وہ طوفان آ گیا تو اس نے یعنی حضرت نوحؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا اس میں سوار ہو جاؤ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا اللہ ہی کے حکم کے ساتھ، اللہ ہی نام کے ساتھ اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے۔ اِنَّ رَبِّىْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ میرا رب بہت بخشش کرنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ وَهِىَ تَجْرِىْ بِهِمْ فِىْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وہ ان کے درمیان ان کو لے کر چلتی تھی ایسی موجوں کے درمیان جو پہاڑوں کی طرح تھیں یا ایسی موج کے درمیان جو پہاڑ کی طرح تھی وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ اس وقت حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا جو ایک گھاٹی میں تھا مَعْزِلٍ ایک طرف۔ ارْكَبْ مَّعَنَا انہوں نے کہا اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں میں سے نہ ہو۔ قَالَ سَاٰوِىْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِىْ اس نے جواب دیا کہ میں ایک پہاڑ کی طرف پناہ ڈھونڈ لوں گا جو مجھے ان پہاڑ جیسی موجوں سے بچا لے گا۔ لفظاً فرمایا گیا ہے مِنَ الْمَآءِ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ اس کو میں نے پہاڑ جیسی موجوں سے بچالے گا اس لئے کہا ہے کہ اس سے پہلے قرآن کریم فرما چکا ہے کہ ایسی موجوں کے درمیان کشتی چل رہی تھی جو پہاڑ کی طرح تھیں اور یہ موازنہ فرمایا گیا ہے کہ ایک طرف ایک ایسی کشتی میں کچھ سوار تھے جن کو پہاڑ کی طرح موجوں سے خطرہ لاحق تھا دوسری طرف ایک ایسا شخص تھا جو موجوں کے مقابل پر واقعۃً خشکی کے پہاڑ میں پناہ ڈھونڈ رہا تھا لیکن کیا ہوا؟ جب حضرت نوحؑ نے یہ جواب سنا تو فرمایا لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ خدا کے حکم سے کوئی چیز آج بچا نہیں سکتی وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ اور ان دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی اور وہ الْمُغْرَقِيْنَ یعنی غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا۔

ان آیات کی تلاوت میں نے آج ایک خاص مقصد سے کی ہے۔ اس مقصد کا جہاں تک تعلق

ہے بظاہر میں سیلاب کا ذکر کروں گا جس کا تذکرہ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہے جو مغربی پاکستان میں اور سابقہ مشرقی پاکستان یعنی بنگلہ دیش میں پچھلے دنوں آیا اور اس نے بہت بڑی تباہی پھیلائی۔

جہاں تک سیلاب کی تباہ کاریوں کا تعلق ہے دونوں جگہ کے موسمیات کے ماہرین کی رائے یہ ہے کہ ایسا سیلاب گزشتہ سو سال یا بعض نے یہاں تک کہا کہ تین سو سال کی تاریخ میں بھی معلوم نہیں اور جو ذکر بھی سیلابوں کا ملتا ہے اتنا خوفناک سیلاب کبھی اس سے پہلے نہیں آیا لیکن اس وقت میرا موضوع یہ سیلاب نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے پہلے فقرے میں یہ کہا کہ بظاہر میرے مضمون کا تعلق اس سیلاب سے ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے سیلاب آتے بھی ہیں اور چلے بھی جاتے ہیں لیکن یہ سیلاب بعض علامتیں ہیں اور بعض امور کی طرف متوجہ کرنے کے لئے آیا کرتے ہیں۔ مومن کا کام ہے کہ جس طرف انگلی اشارہ کر رہی ہو اس طرف دیکھے اور محض انگلی پر نظر جما کے نہ بیٹھ جائے۔ غالبؔ نے کیا خوب کہا ہے کہ:

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا ، دیدۂ بینا نہ ہوا

(دیوان غالب: ۵۹)

اس لئے وہ نگاہیں جو سیلاب تک آ کے ٹھہر گئی ہیں وہ بچوں کا کھیل کھیل رہی ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ان سیلابوں کا خصوصاً ان سیلابوں کا جو محض حادثاتی عوامل کا نتیجہ نہ ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کی غضب کی تقدیر کو ظاہر کرنے والے ہوں ایک پس منظر ہوا کرتا ہے اور اس پس منظر میں آپ کو ایک گناہوں کا سیلاب دکھائی دے گا۔ پس خدا کی تقدیر جو کبھی ظلم نہیں کرتی دراصل اس سیلاب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایسی ظاہری آفات کے پیدا ہونے کے سامان فرمایا کرتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ظہور مبارک سے پہلے بھی ایک ایسا ہی گناہوں اور معاصی کا طوفان برپا تھا جس کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) یہ ایک ایسا معاصی کا سیلاب ہے جس میں تری ہی کو نہیں خشکی کو بھی ڈھانک لیا ہے۔ یعنی وہ علاقے جو پانی والے علاقے کہلاتے ہیں صرف ان میں ہی اس ظلم نے غلبہ نہیں کیا بلکہ ہر حصے پر دنیا کے، ہر خطے پر یہ ظلم غالب آچکا ہے۔ پس امر واقعہ یہ ہے کہ مومن کا کام ہے فراست سے خدا تعالیٰ کے اشاروں کو سمجھے اور ان امور کی طرف متوجہ ہو جن کی

طرف خدا تعالیٰ کی انگلی یا اس کی تقدیر کی انگلی اشارہ کرتی ہے۔

مسلمان ممالک میں خصوصیت کے ساتھ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں ایک وبا بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور وہ ہے تصور یعنی نظریہ اور عمل کا تضاد اور دن بدن ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ تصور اور سمت میں رواں ہے اور عمل اور سمت میں رواں ہے اور ان دونوں کے درمیان فاصلے بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ چنانچہ جتنا زیادہ اسلام کو زندہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں اور اسلام کا نام بلند کیا جارہا ہے اتنا ہی زیادہ مسلمانوں کا عمل تنزل پذیر ہے اور ہر جگہ جرم بڑھتا چلا جارہا ہے اور پھیلتا چلا جارہا ہے اور واقعۃً ایک ایسے سیلاب کی شکل اختیار کر چکا ہے جس میں تمام کی تمام قوم غرق ہوئی ہوئی ہے یا ہوتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔

پاکستان میں خصوصیت کے ساتھ جو حالات ہیں وہ حد سے زیادہ قابل فکر ہیں۔ ہر قسم کے جرائم دن بدن ترویج پا رہے ہیں۔ خلاصۃً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جان کی وہاں کوئی حرمت نہیں رہی، مال کی کوئی حرمت نہیں رہی، عزت کی کوئی حرمت نہیں رہی اور حرام اور حلال کی کوئی تمیز نہیں رہی اور وہ ساری بدیاں جو بڑی بڑی طاقتور قوموں کو بھی ہلاکت کے گڑھے تک پہنچا دیا کرتی ہیں وہ اپنا سر اٹھا رہی ہیں اور معاشرے کو دن بدن مغلوب کرتی چلی جارہی ہیں۔

اس وقت میں محض یہ کہنے کے لئے بھی آج یہاں کھڑا نہیں ہوا کہ پاکستان میں عمومی طور پر کیا ہو رہا ہے بلکہ اس سے بھی پرے میرا مضمون ہے جس کا میں اب ذکر کرنے لگا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب موسم ٹھنڈا ہو تو بند کمروں میں بھی اس موسم کا اثر پہنچ جایا کرتا ہے، جب موسم گرم ہو تو بند کمروں میں بھی اس موسم کا اثر پہنچ جایا کرتا ہے، جب سمندروں کے پانی چڑھتے ہیں تو جزائر کو بھی غرق کرنے لگتے ہیں۔ اس لئے ایسے موقع پر سب سے زیادہ قابل فکر بات یہ دکھائی دیتی ہے کہ جماعت احمدیہ جو اس سیلاب میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتی ہے اس نے اپنے دفاع کے لئے اور اپنے آپ کو ایسے فتنوں سے بچانے کے لئے کیا کارروائی کی ہے اور کیا باشعور طور پر ہر جگہ جماعت احمدیہ اس سیلاب سے بچنے کے لئے کوئی کوشش کر رہی ہے یا نہیں کر رہی۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس طوفان نوح کی خبر دی گئی تھی اس طوفان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بات دنیاوی سیلابوں سے ہی کرتے ہیں اور

بتاتے ہیں کہ بڑے بڑے طوفان آئیں گے، بڑے بڑے سیلاب آئیں گے لیکن جب ان سے بچنے کی باتیں فرماتے ہیں تو کشتی نوح کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے اس میں کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ اس قسم کے جہاز بنانا، اس قسم کی کشتیاں بنانا، اس طرح اپنے مکان خشکیوں میں اونچے ٹیلوں پر تعمیر کرنا بلکہ ان دنیاوی ذرائع میں سے کسی کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تمام باتیں وہ ہیں جن کا دین اور اخلاق کی درستی سے تعلق ہے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جو کشتی نوح کا نچوڑ ہماری تعلیم کے عنوان سے پیش کیا ہے اس کو پڑھ کر آپ دیکھ لیں بات سیلاب کی چلتی ہے کہ اس سیلاب سے تم نے بچنا ہے اور ذرائع یہ بیان کیئے جاتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولو، بدی نہ کرو، کسی بھائی پر ظلم نہ کرو، تکبر نہ کرو۔ غرضیکہ تمام کی تمام تعلیم دینی ہے۔ اس کو روحانی بصیرت کہتے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ خدا شناس تھے اور خدا تعالیٰ کے اشاروں کو اپنے زمانے میں سب سے زیادہ بہتر سمجھتے تھے اس لئے آپ نے سیلاب کے خطرات کے وقت بچنے کے وہ طریق بتائے جو دراصل سیلاب کے پس منظر سے بچنے کے طریق ہیں۔ سیلاب کیوں آتے ہیں ایسے جو خدا کے غضب کو ظاہر کرتے ہیں اس طرف آپ کی نظر گئی اور اپنی جماعت کو یہ نصیحت فرمائی کہ ان آفتوں سے بچنے کے لئے اپنے دل کی، اپنے نفس کی آفتوں سے بچاؤ کے سامان پیدا کرو۔

پس یہ کہنا کہ پاکستان میں تباہ کاری ہے یعنی اخلاقی لحاظ سے یا بنگلہ دیش میں ہے یا ہندوستان میں ہے یا بعض دیگر مسلمان ممالک میں بدقسمتی سے ایسی آفتیں ہیں۔ یہ کہنا ہمیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے گا جب تک ہم اپنے آپ کو اس کشتی میں سوار نہ پائیں جو ان آفتوں سے بچانے کے لئے اس زمانے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قائم فرمائی۔ اس لئے مختصراً میں ان آفتوں کا ذکر کرتا ہوں جو اس وقت کثرت کے ساتھ بالخصوص پاکستان میں پھیل رہی ہیں اور جماعت کو متوجہ کرتا ہوں کہ ان آفات سے بچنے کا فکر کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو یہ آیات جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے یہ صاف مطلع کر رہی ہے کہ پھر خدا کی پکڑ سے ایسے لوگوں کو کوئی چیز بچا نہیں سکے گی۔

چنانچہ حضرت نوحؑ کے بیٹے کو ایک تمثیل کے طور پر پیش فرمایا گیا۔ یہ نہیں مطلب کہ صرف حضرت نوحؑ کے بیٹے تھے جو اس زمانے میں حضرت نوحؑ سے بنیادی اختلاف رکھتے ہوئے قوم میں

پیدا ہونے والی بدیوں کا شکار ہو گئے تھے۔قرآن کریم تو صاف بتا رہا ہے کہ حضرت نوح پر تو بہت تھوڑے ایمان لائے تھے۔ پھر حضرت نوحؑ کے بیٹے کو نمایاں طور پر، امتیازی طور پر کیوں پیش کیا گیا۔نعوذ باللہ حضرت نوحؑ کی بدنامی تو مقصود نہیں تھی، یہ کہنا تو مقصود نہیں تھا کہ حضرت نوحؑ اپنی اولاد کی بھی تربیت نہیں کر سکے کیونکہ حضرت نوحؑ کی خاطر اور چند ان لوگوں کی خاطر جو آپ پر ایمان لائے تھے باقی ساری قوم کو غرق کر دیا گیا تھا۔اس لئے حضرت نوحؑ کے بیٹے کو نمایاں طور پر پیش فرمانا ایک پیغام رکھتا ہے، ایک مقصد رکھتا ہے اور مراد یہی ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ خدا تعالیٰ کا غضب بھڑ کے اس وقت کوئی دنیاوی تعلق اور کوئی جسمانی تعلق انسان کو بچا نہیں سکتا۔ایک ہی کشتی ہے جو ایسے موقع پر انسان کو بچا سکتی ہے اور وہ اعمال صالحہ کی کشتی ہے۔ چنانچہ جب حضرت نوحؑ نے خدا سے عرض کیا، ایک دوسری جگہ قرآن کریم اس کا ذکر فرماتا ہے کہ اے خدا! یہ تو میرا اہل ہے اور میرے اہل کے متعلق تو تو نے خوشخبری دی تھی کہ تیرے اہل کو بچایا جائے گا۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نوح! جاہلوں میں سے مت ہو اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ (ھود:۴۷) تیرا یہ بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔اس لئے نہیں ہے کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ کہ یہ صالح اعمال نہیں رکھتا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جو کشتی نوح اس زمانے میں پیش فرمائی ہے وہ اعمال صالحہ ہی کی کشتی ہے۔اس لئے جماعت کا وہ حصہ جو اپنی کمزوریوں پر اصرار کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ظاہر ہوتے ہوئے غضب کو دیکھنے کے باوجود جرأت کرتا ہے اور اپنے حال پر قائم رہتا ہے اس کے متعلق نہ صرف یہ کہ کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی بلکہ یہ آیت بتا رہی ہے کہ وہ خدا جس نے اپنے پیارے نوح کے بیٹے کو بھی ایسے وقت میں استثنائی طور پر معاف نہیں فرمایا۔تم جو نسبتاً ادنیٰ درجہ کے لوگ ہو اور خدا کے کم پیاروں کی اولاد ہو تمہارے تحفظ کی بھی ہرگز کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ لَا عَاصِمَ الۡيَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ۔ اَلۡيَوۡمَ سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں خدا تعالیٰ اپنے غضب کے ساتھ ظاہر ہوا کرتا ہے۔عام دنوں میں خدا تعالیٰ کی بخشش کا مضمون اور رنگ میں چلتا ہے اور رنگ میں کارفرما ہوتا ہے۔عام دنوں میں خدا تعالیٰ کی ستاری کا مضمون اور طرز پر چلتا ہے اور رنگ میں ظاہر ہوا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی بخشش اور ستاری اور خدا تعالیٰ کی مغفرت اتنے وسیع ہیں کہ انسان ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن اَلۡيَوۡمَ وہ دن جبکہ خدا نافرمانوں کی پکڑ کے فیصلے کرتا ہے اور ان کے متعلق

تعزیری کارروائی شروع کر دیتا ہے وہ دن نہایت خطرناک دن ہیں اور قرآن کریم کی یہ آیات ہمیں متنبہ کرتی ہیں کہ ایسے دنوں میں جرأت نہ کرنا ورنہ بعید نہیں کہ خدا کی ستاری کی چادر تم سے کھینچ لی جائے اور تمہیں بھی ان سزاؤں کا سزاوار قرار دیا جائے جو خدا تعالیٰ کے پیاروں کے معاندین کی سزائیں ہوا کرتی ہیں۔

پس اس تنبیہ کے ساتھ، اس تمہید کے ساتھ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ خیال کر لینا کہ جماعت احمدیہ کی چار دیواری میں بالعموم داخل ہو جانا یعنی اقرار کر کے کہ ہم احمدی ہیں یہ ہرگز کافی نہیں ہے اور یہ خیال کر لینا کہ جماعت احمدیہ ان تمام بدیوں سے پاک ہے جو بدیاں اردگرد کے ماحول میں کثرت سے ملتی ہیں۔ یہ بھی ایک جاہلانہ تصور ہے۔ ناممکن ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ ماحول سرد ہو اور کسی کمرے میں کلیۃً اس سردی کا اثر نہ پہنچے۔ جتنا ماحول سرد ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی کمرے کو گرم رکھنے کے سامان مہیا کرنے پڑیں گے۔ ماحول گرم ہو تو چار دیواری سے گھرا ہوا مقفل کمرہ بھی گرم ہونے لگتا ہے اور لازم ہے کہ اس کو ٹھنڈا کرنے کے سامان کئے جائیں۔ اس لئے جماعت احمدیہ میں یہ ساری بدیاں ضرور موجود ہوں گی جو ماحول میں پائی جاتی ہیں اور مختلف سمتوں سے راہ پکڑ رہی ہوں گی۔

قرآن کریم نے جو تاریخ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے زمانے کی پیش فرمائی ہے اور اس میں منافقین کا ذکر فرمایا ہے، کمزوروں کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ بھی وہی روح رکھتا ہے جو حضرت نوحؑ کے بیٹے کا ذکر رکھتا ہے۔ یعنی **نعوذ باللہ من ذالک** اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ آنحضرت ﷺ جیسے مزکی کے زمانے میں بھی یہ حال تھا۔ صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب مزکی آیا کرتے ہیں تو جو لوگ اپنے نفوس کو اس کے حضور تزکیہ کے لئے پیش نہیں کرتے وہ ان مزکیوں کے وجود سے فائدہ نہیں اٹھایا کرتے۔ پس ضروری ہے کہ تم بھی اپنے نفوس کو ایک آنے والے مزکی کے حضور تزکیہ کی خاطر اور صفائی کی خاطر پیش کر دو۔ پس اس پہلو سے اگر اس زمانے میں بھی کمزوریاں اور بدیاں ملتی تھیں تو اس زمانے میں ہمارا اس قطعی امکان سے آنکھیں بند کر لینا اس کبوتر کی طرح ہوگا جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو خطرے سے محفوظ سمجھتا ہے۔

وہ چند بدیاں جو خصوصیت کے ساتھ اس وقت میرے پیش نظر ہیں ان کا میں ذکر ضروری

سمجھتا ہوں اور خصوصیت کے ساتھ پاکستان کی تمام جماعتوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ ان کو اپنے اصلاحی پروگرام میں پیش نظر رکھیں اور جیسا کہ میں بار بار یہ ذکر کر چکا ہوں کہ یہ وقت ہے کہ ان بدیوں کے خلاف جہاد کیا جائے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب بھی میں اس مضمون پر خطبے دیتا ہوں انفرادی طور پر مجھے خطوط ملتے ہیں۔ کچھ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہ ذکر کرتے ہیں کہ خدا کے فضل سے ہمیں اس سے فائدہ پہنچا لیکن بعض دفعہ باوجود اس کے کہ جماعتوں کو خاص طور پر متوجہ کیا جاتا ہے کہ آپ باقاعدہ مستقل پروگرام کے مطابق ان بدیوں کے خلاف جہاد کریں۔ جماعتی رپورٹوں میں کچھ دیر کے بعد وہ ذکر آنا ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی نظام جماعت کا جہاں تک تعلق ہے وہ ہر ملک میں اور ہر شہر میں یکساں اطاعت نہیں کرتا، یکساں تعمیل نہیں کرتا اور رفتہ رفتہ پھر یہ بات آئی گئی ہو جاتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ہاں! ماضی میں ایک بات کہی گئی تھی اب کہاں تک اس کو لے کر کوئی آگے بڑھے۔ یہ وہ بدیاں ہیں جن کا میں ذکر نے لگا ہوں جو مستقبل سے تعلق رکھ رہی ہیں اور دن بدن بڑھ رہی ہیں۔ ان کے خلاف جہاد ماضی کا قصہ بن ہی نہیں سکتا جب تک ان کی بیخ کنی نہ ہو جائے۔ پس بڑی جہالت ہو گی یہ سوچ لینا کہ جن دنوں میں خطبہ آیا تھا ان دنوں میں ہم نے ان بدیوں کے خلاف جہاد شروع کیا تھا اور تعمیل ہو گئی ہے۔ تعمیل کیسے ہو سکتی ہے اگر بدیاں باقی ہیں۔ جب تک مرض باقی ہے دوا کی ضرورت پڑتی رہے گی۔ اس لئے میں جماعتوں کو متوجہ کرتا ہوں یعنی جماعتوں کی انتظامیہ کو، اپنے پروگرام میں ان کو باقاعدہ داخل کریں ایک ایسا منصوبہ بنائیں جس کے نتیجے میں پھر وہ ان باتوں کو بھول نہ سکیں اور مستقلاً ان میں سے کچھ لوگ نگران رہیں اور اس منصوبے کے نتیجے میں ایسا جائزہ لینے والا انتظام بھی ہو کہ جو اس کی تعمیل کی کارروائی پر نظر رکھتا رہے۔

سب سے پہلی بات جو قابل توجہ ہے وہ **نیتوں کا فساد** ہے۔ دنیا میں جتنی بدیاں پھیلتی ہیں وہ نیتوں کے فساد سے پھیلا کرتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا۔ ایک تو **انما الاعمال بالنیات** (بخاری کتاب الوحی حدیث نمبر:۱) کی مشہور حدیث آپ کے پیش نظر رہنی چاہئے لیکن ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا **الاوان فی الجسد مضغةً اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الاوھی القلب** (بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر:۵۰) کے خبر دار انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ لوتھڑا صحیح رہے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر وہ لوتھڑا بگڑ

جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ **الا وھی القلب** خبردار! وہ لوتھڑا دل ہے۔

تو مراد یہ ہے دنیا میں جب بدیاں راہ پاتی ہیں ان کا آغاز دلوں میں مخفی طور پر شروع ہوتا ہے یا آغاز جڑ پکڑتا ہے اور اس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ وہ بدی ایک معین خیال پھر ایک عزم کی شکل اختیار کر لیتی ہے، پھر وہ عملی جامہ پہنتی ہے، پھر وہ انفرادی بدی رفتہ رفتہ قومی بدی بننے لگتی ہے۔اس لئے سب سے پہلے نیتوں کی اصلاح ضروری ہے اور میں نے جہاں تک جائزہ لیا ہے بدقسمتی سے ہماری قوم میں ہر جگہ آغاز ہی سے بدنیتی داخل ہو چکی ہے۔ بچے جب تعلیم پاتے ہیں وہ یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ تعلیم پانے کے بعد ہم یہ بڑے بڑے عہدے حاصل کر کے اسی طرح امیر بنیں گے، اسی طرح بددیانتیاں کر کے قومی اموال کو غصب کریں گے جس طرح ہمیں وہ لوگ دکھائی دے رہے ہیں جو بہت اچھے حال میں ہیں، جن کا رہن سہن ہمیں متاثر کرتا ہے اور ان کا طریق یہی ہے کوئی انجینئر ہے، کوئی ڈپٹی کمشنر ہے، کوئی ایس پی ہے، کوئی دنیا کا اور عہدہ دار ہے۔ ہر ایک نے اپنی ایک شان بنائی ہوئی ہے۔ وہ شان نئی بڑی ہونے والی نسل کو دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔اس پر وہ اثر انداز ہو رہی ہوتی ہے اور یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہوتی کہ کس طرح یہ شان بنی ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ سارے لوگ اگر دیانتدار بن جائیں، دیانتدارنہ زندگی بسر کریں تو بجائے اس کے کہ یہ قابل رشک دکھائی دیں یہ قابل رحم دکھائی دینے لگیں اور لوگ خوف کھائیں حکومت کی نوکری سے کہ کیسا عذاب ہے، دن رات کی مصیبت، دن رات کی محنت خواہ انجینئر ہو، خواہ ایس پی ہو خواہ ڈی سی ہو، بڑی بھاری ذمہ داریاں ہیں اور جو تنخواہ ملتی ہے وہ اتنی کہ بمشکل سفید پوشی کا بھرم رکھا جا سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں ۔تو جو کچھ ان کو دکھائی دیتا ہے وہ شان دکھائی دیتی ہے جو جھوٹ پر قائم ہے اور ہر قوم کا بچہ یہ سمجھ رہا ہوتا ہے، اس سے کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہوتی کہ اس شان میں جھوٹ اور فساد شامل ہیں ۔ چنانچہ اسی وقت سے اس کی نیت میں یہ بات داخل ہو جاتی ہے۔ایک انسان تاجر بننے کی سوچ رہا ہے اس نے تاجروں کی شان و شوکت دیکھی ہے، دن بدن تیزی کے ساتھ روپیہ بڑھتے ہوئے دیکھا ہے، وہ جانتا ہے کہ دیانتداری کے ساتھ اس تیزی سے روپیہ نہیں بڑھا کرتا، چنانچہ جب وہ تاجر بننے کی سوچتا ہے تو اس کی نیت میں وہ فساد داخل ہو چکا ہوتا ہے جو بظاہر کامیاب تاجروں کی نیت میں داخل تھا اور جس نے ان کو آناً فاناً ناجائز ذریعے سے کمائی

ہوئی دولت کا مالک بنایا۔

پس اسی طرح آپ جب دوسرے زندگی کے شعبوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہر جگہ آپ کو نیتوں کا فساد دکھائی دیتا ہے۔ بعض لڑکے مخلوط تعلیم کے کالج میں داخل ہوتے ہیں۔ بعض لڑکیاں مخلوط تعلیم کے کالجوں میں داخل ہوتی ہیں اور اس سے پہلے اگلی نسل کو رنگ رلیاں کرتے ہوئے دیکھ چکے ہوتے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے دل میں مخفی طور پر ایک یہ کیڑا ابھی ہوتا ہے کہ ہم بھی اسی طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں گے، اسی طرح آزادانہ میل ملاپ کریں گے اور جس معاشرے کی جھلکی سے وہ متاثر ہو چکے ہوتے ہیں وہ ایک بدنیتی کا بیج بن کے ان کے دل میں جگہ لے لیتی ہے۔ اس قسم کی بدنیتیاں عام ہیں اور ان بدنیتیوں سے روکنے کے لئے تقویٰ کا معیار بلند کرنا ضروری ہے اور لذتوں کے معیار درست کرنے ضروری ہیں۔ یہ بہت ہی محنت کا کام ہے، بہت ہی تفصیلی توجہ چاہتا ہے اور ایک عرصے کے بعد جب بچے بڑے ہو جائیں اس وقت یہ کام بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے میں نے بارہا جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ بچہ جب پنگوڑھے میں ہو، جب ماں کی گود میں ہو، جب آپ اسے گودیوں میں اچھال کر اس سے کھیلتے ہیں یا اس کی معصوم پیاری باتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں، یہ وہ زمانے ہیں جبکہ نیتیں سیدھی کرنے کا وقت ہوا کرتا ہے۔ اس وقت کی نیتیں سیدھی ہوئی ہمیشہ سیدھی رہتی ہیں۔ اس وقت اخلاقی تعلیم دینے کی ضرورت ہے اور بچپن کا ابتدائی زمانہ یعنی وہ زمانہ جبکہ ابھی اس پر عبادت فرض نہیں ہوئی ہوتی وہ زمانہ نیتوں کو درست کرنے میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

چنانچہ نماز سے پہلے نیت ضروری ہے اور انسانی زندگی کی تعمیر اور اس کا رخ ڈھالنے کے لئے بچپن سے اس کی نیت کی درستی ضروری ہے تب وہ نماز کے دور میں داخل ہوگا۔ یہاں میں نیت کا مضمون وسیع رنگ میں بیان کر رہا ہوں ایک لمبے عرصے پر پھیلی ہوئی نیت کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ وہ بچہ جس کی نیتیں آپ درست کر دیتے ہیں وہ عبادت کا اہل بن جاتا ہے اور پھر عبادت سے استفادہ کرنے کا اہل بن جاتا ہے۔ وہ بچہ جس کی نیتوں میں فتور شامل ہو جاتا ہے اس بچے کے متعلق آپ کوئی ضمانت نہیں دے سکتے اور یہاں ماں باپ دونوں کے اعمال کا بچے کی نیت پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اسی لئے میں نے بارہا یہ توجہ دلائی ہے کہ ماں باپ اپنے گھر پر جو اثر پیدا کر رہے ہیں اس کے متعلق متنبہ

رہیں۔ وہ یہ خیال نہ کریں کہ ان کے بے تکلف جھوٹ، ان کے بے تکلف بد دیانتی کے تذکرے، ان کے مذاق مذاق میں ایسے واقعات بیان کرنا جس سے ان کی چالاکیاں ظاہر ہوتی ہوں اور دوسروں کے اموال لوٹنے کے تذکرے ہوں۔ ہوشیاری کے ساتھ ہم نے فلاں کو اس طرح دھوکا دیا، فلاں کو اس طرح دھوکا دیا بعض لوگ اس قسم کی باتیں گھر میں پکڑ کے فخر کر رہے ہوتے ہیں لیکن جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں۔ جس قسم کی باتیں گھر میں کرتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے اثرات بچوں کی زندگی پر گہری چھاپ بن کر نقش ہو جایا کرتے ہیں اور بعض دفعہ وہ انمٹ ہو جاتے ہیں۔ وہ نقوش ان کی زندگی کو بنانے یا بگاڑنے میں سب سے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اس لئے سب سے پہلے تو گھروں کے ماحول کو اس نیت سے صاف اور درست کرنے کی ضرورت ہے کہ ماں باپ یقینی طور پر یہ جان لیں کہ اس معاملہ میں وہ خدا کے حضور جوابدہ ہوں گے۔ اگر ان کی بداخلاقیوں کی وجہ سے اولاد کی نیتوں میں فتور پیدا ہو گیا تو پھر ان کی تمام عمر کی بداعمالیوں میں وہ حصہ دار قرار پائیں گے۔ یہی وہ مضمون ہے جو قرآن کریم کی اس آیت میں بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے جو آنحضرت ﷺ نکاح کے موقع پر تلاوت فرمایا کرتے تھے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر: ۱۹) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، خدا کا خوف کرو وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ اور ہر جان اس بات کی نگران رہے کہ وہ کل کے لئے کیا آگے بھیج رہی ہے۔ میں نے بارہا اس پر روشنی ڈالی ہے کہ یہاں کل سے مراد صرف اگلا جہان نہیں، وہ کل نہیں جو مرنے کے بعد آئے گا بلکہ وہ کل بھی ہے جو ہماری زندگیوں میں ہماری اولاد کے مستقبل کی صورت میں ظاہر ہوگا اور ہمارے مرنے کے بعد آنے والی نسلوں کے اعمال کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ ہماری جن کمزوریوں کا اس کل سے تعلق ہے اس کے متعلق خدا تعالیٰ ہمیں متنبہ فرماتا ہے کہ تم ہمارے سامنے جوابدہ ہوگے اور ہم تمہیں آج متنبہ کر رہے ہیں۔ پس اس پہلو سے ایسے پروگراموں کی ضرورت ہے۔ یہ ایک لمبا کام ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تفصیلی محنت کا محتاج ہے، حکمت کا محتاج ہے کہ جماعتیں اپنی اپنی توفیق کے مطابق ایسے پروگرام بنائیں کے خاندانوں کو متنبہ کرنے کی مشینری قائم ہو جائے، ایسا ایک کارخانہ بن جائے جس کے نتیجے میں مستقلاً اس موضوع پر ماں باپ کی تربیت کے

سامان پیدا ہوتے رہیں۔

اس کے علاوہ خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور لجنات میں نیت کے مضمون کے اوپر مختلف نصیحتوں پر مشتمل تقاریر ہونی چاہئیں۔ اس موضوع پر مقابلہ کروائے جاسکتے ہیں کہ نیتوں کا فتور کس طرح قوموں کو ہلاک کیا کرتا ہے، کس طرح ان قوموں کی تاریخ سے ہمیں استفادہ کرنا چاہئے اور جماعت احمدیہ کیا طریق اختیار کرے جس کے ذریعے ہماری نسلیں پاک اور صاف اور واضح نیتوں کے ساتھ جوان ہو رہی ہوں۔ یہی پیغام ہے جو میں افریقہ کے دورے میں افریقہ کو دیتا آیا ہوں۔ ان کو میں بتاتا رہا ہوں کہ آپ کے بچوں کی نیتیں ابھی سے بگڑ چکی ہیں۔ سارا ماحول اتنا گندہ ہو گیا ہے کہ آپ کی تعمیر نو ہو نہیں سکتی جب تک آپ اپنی آئندہ نسلوں کی نیتوں کی درستگی کی طرف توجہ نہ کریں۔ اسکے لئے احمدی سکول ہیں جب تک سکولوں میں ایسے نصاب داخل کئے جاسکتے ہیں اور بالعموم جماعتی نظام کے تابع اور ذرائع ایسے اختیار کئے جاسکتے ہیں کہ کھول کھول کر آئندہ نسلوں کی نیت کو درست رکھنے کے متعلق تدابیر جماعت کے سامنے پیش کی جائیں اور پھر ایسے اقدامات کئے جائیں جس میں افراد کی مدد ہو۔ صرف ماں باپ پر نہ چھوڑا جائے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کریں بلکہ جماعت ان کی مدد کرے اور عملاً ان کو اس قابل بنائے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کرسکیں۔

اس ضمن میں ماں باپ کی تربیت کے اجلاس بلائے جاسکتے ہیں۔ بعض باتیں ایسی ہیں جن کا تعلق بچوں سے ہے لیکن براہ راست بچے مخاطب نہیں ہو سکتے۔ ماں باپ کی تربیت کے سکول ہونے چاہئیں ان کو بتانا چاہئے کہ یہ خرابیاں قوم میں جڑ پکڑ گئی ہیں اور پھیل رہی ہیں اور ان سے اپنے بچوں کو بچانا ضروری ہے ورنہ اس کشتی سے باہر چلے جائیں گے جو کشتی اس زمانے میں مومنین کی حفاظت کے لئے خدا تعالیٰ نے دوبارہ تعمیر فرمائی ہے۔

دوسرا پہلو نیت کے بعد جو نیت ہی سے پھوٹتا ہے یعنی ہر باقی پہلو جو میں بیان کروں گا وہ سب نیت سے پھوٹ رہے ہیں وہ ہے **کسی کی جان، عزت اور مال سے کھیلنا**۔ دن بدن ہمارے معاشرے میں یہ بدیاں پھیل رہی ہیں اور جماعت میں بھی وہ داخل ہو رہی ہیں۔ اس لئے یہ فخر کرنا کہ ہم ان سے بہتر ہیں بالکل غلط طریق ہے۔ یہ فخر تو نہیں شکر کا مقام ہے اگر ہم بہتر ہیں لیکن اگر ہم اتنے بہتر نہیں جتنا ایک الٰہی جماعت کو ہونا چاہئے تو پھر یہ شرم کی بات بن جاتی ہے۔ بہتر ہونا فخر کا مقام نہیں

شکر کا مقام ہے لیکن جتنا بہتر ہونا چاہئے وہ اگر نہ ہوں تو پھر یہ قابل شرم بات ہے اور ہم اس بات کے اہل نہیں رہتے کہ دوسروں کو بچا سکیں۔ ایک آدمی تیرنا جانتا ہو ضروری نہیں کہ وہ کسی ڈوبتے ہوئے کو بچا سکے۔ ڈوبتے ہوئے کو بچانے کے لئے بہت اچھا تیرنا آنا چاہئے اور جسم میں اسی نسبت سے طاقت بھی ہونی چاہئے۔ جماعت احمدیہ کو دوسروں کو بچانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے اگر معاشرے کو سنبھالنا ہے تو جن بدیوں کا میں ذکر کرتا ہوں ان بدیوں سے جماعت کا کلیۃً اجتناب ضروری ہے اور جماعت کا معیار اس پہلو سے بہت بلند ہونا چاہئے۔

اب غیر کے مال پر بدنیتی سے نظر رکھنا اور پھر اس کو ہتھیانے سے کوئی پرہیز نہ کرنا یہ ایک ایسی بدی ہے جو کثرت سے تیسری دنیا کے ملکوں میں پھیل گئی ہے۔ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو یہ ایک ایسی بدی ہے جو عام ہے اور بدقسمتی سے احمدیوں کے متعلق بعض دفعہ غیر احمدی یہ شکایت کرتے ہیں کہ فلاں شخص پر ہم نے اعتماد کیا اور اس وجہ سے کیا کہ وہ احمدی تھا۔ یہ توقع رکھ کر اسکے سپرد امانت کی کہ چونکہ یہ احمدی ہے اس لئے امانت میں خیانت نہیں کرے گا لیکن وہ سارا روپیہ کھا گیا ہے اور بعض دفعہ اس میں مبالغہ بھی نظر آیا لیکن بعض دفعہ سچائی بھی نظر آئی۔ ایک موقع پر ایک ملک کے ایک غیر مسلم نے مجھے خط لکھا کہ فلاں صاحب احمدی تھے اور میں احمدیوں کی بڑی عزت کرتا ہوں اگرچہ میں مسلمان بھی نہیں ہوں۔ میرا عمومی تجربہ یہ ہے کہ احمدی دیانتدار ہوتے ہیں لیکن اس ظالم شخص پر میں اعتماد کر بیٹھا۔ نہ اس نے پھر میرے احسان کا خیال کیا، نہ اپنی احمدیت کا خیال کیا اور بڑی بے شرمی کے ساتھ میرا روپیہ ہضم کر گیا۔ جب میں نے تحقیق کرائی تو بات درست تھی۔ اس کے متعلق جو کارروائی ہو سکتی تھی کی گئی مگر جب غیر کی طرف سے طعنہ آتا ہے تو بہت ہی شدید تکلیف پہنچتی ہے۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو دوسرے کے اموال، دوسرے کی عزت اور دوسرے کی جان کا احترام سکھانا ضروری ہے اور اس پہلو سے مجھے ڈر ہے کہ بہت سی کمزوریاں ہمارے اندر داخل ہو چکی ہیں اور اس قسم کے بعض جگہ برائی کے اڈے بن چکے ہیں جو آگے پھر برائیوں کو پھیلانے کے لئے منظّم طریق پر کارروائیاں کرتے ہیں۔

بعض لوگ شاید یہ خیال کریں کہ اس دور میں جماعت کی برائیوں کا اس طرح تذکرہ کرنا ہمارے لئے خفت کا موجب ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ برائیاں خفت کا موجب ہیں لیکن ان کی اصلاح کے لئے جہاں تک ان کا ذکر ضروری ہے وہ ذکر کرنا خفت کا موجب نہیں ہے بلکہ تقویٰ کی علامت ہے

اور سچائی کی علامت ہے۔اس لئے ایسے ذکر سے میں نہیں رک سکتا جس کے نتیجے میں اصلاح مقصود ہے اور جس کے بغیر اصلاح ممکن نہیں۔اس لئے مجبوراً مجھے کھل کر یہ باتیں آپ کے سامنے رکھنا ہیں۔

مال کے متعلق میں آپ کو بتاتا ہوں میں نے بارہا آپ سے کہا ہے کہ ایسے لوگ جو آپ کو ایسی لالچ دیتے ہیں جو عام دنیاوی دستور کے مطابق معقول بات نہیں یعنی آپ سے یہ کہتے ہیں کہ یہ روپیہ بڑی تیزی سے بڑھ جائے گا اور بہت جلدی تم امیر بن جاؤ گے اس لئے یہ روپیہ ہمیں دو۔آپ یقین جانیں کے وہ بددیانت لوگ ہیں اور اس میں ایسے لوگوں کی ہمیشہ شرط یہ ہوتی ہے کہ ہمارے سپرد کرو اور ایسی لالچ دیتے ہیں کہ جس میں شروع میں بظاہر آپ کے سپرد روپیہ رہتا ہے لیکن کچھ دیر کے بعد رفتہ رفتہ اعتماد قائم ہو کر وہ روپے کا کنٹرول انتقال کر جاتا ہے دوسری طرف اور انتقال ان معنوں میں بھی کر جاتا ہے کہ آپ کی طرف سے روپیہ مر جاتا ہے۔

تو یہ لوگ ایسے ہیں جن کے خلاف جماعت کو متنبہ رہنا چاہئے اور وہاں بھی نیتوں کا فتور ہے جو ان کو نقصان پہنچاتا ہے۔آپ ایسے روپے کی لالچ میں مغلوب ہو جاتے ہیں جس کے متعلق آپ کا نفس اندرونی طور پر گواہی دیتا ہے کہ یہ درست بات نہیں ہے ایسا ہونا نہیں چاہئے۔ چنانچہ اکثر دھوکے دینے والے اسی قسم کے سبز باغ دکھا کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور دھوکا دینے والے جس کو دھوکا دیتے ہیں وہ جب تک اپنے نفس کو دھوکا نہ دے وہ دھوکے کا شکار نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک باریک نفسیاتی نقطہ ہے جس کو آپ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔اگر آپ کا نفس خود آپ کو دھوکا دینے کا اہل نہیں ہے اور آپ اسے مغلوب کر چکے ہیں اور اپنے نفس کے دھوکے میں خود نہیں آتے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر دنیا کا کوئی دھوکے باز آپ کو دھوکا نہیں دے سکتا۔نقصان بعض دفعہ ایسے مومن بھی اٹھا لیتے ہیں لیکن اس کی اور وجوہات ہیں اس وقت اس کی تفصیل میں جانے کا ذکر نہیں مگر ہمیشہ وہی لوگ دھوکا کھاتے ہیں جو خود اپنے نفس کو دھوکا دینے کے عادی ہوتے ہیں۔اس لئے اموال کے معاملے میں اپنے نفسوں کو صاف کریں اور اپنی نیتوں کو صاف کریں اور کسی لالچ کا شکار نہ ہوں۔اگر آپ کسی لالچ کا شکار نہیں ہوں گے تو دوسرا قدم یہ ہوگا کہ آپ آئندہ دوسروں کو بھی دھوکا نہیں دیں گے۔اس لئے جماعت کی اصلاح کے لئے صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ دوسروں کو دھوکا نہ دو۔ بات یہاں سے شروع ہونی چاہئے کہ اپنے آپ کو دھوکا نہ دو۔اسی لئے میں کہہ رہا ہوں کہ نیتوں کی صفائی بہت

ضروری ہے لیکن باریک نظر سے اس کی صفائی ضروری ہے اور ایسے مضامین کھول کھول کر جماعت کے سامنے رکھنے چاہئیں کہ جب بھی تمہارے سامنے کچھ ایسے معاملات ہوں، اقتصادی معاملات جن میں تمہیں ایک دم روپیہ بڑھانے کی دعوت سامنے آئے تو اس وقت اپنے نفس کو ٹٹولا کرو اور آنکھیں بند نہ کیا کرو۔

آنکھیں بند کرنے کا مضمون یہاں واقعۃً اطلاق پاتا ہے کیونکہ جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے بڑے بڑے سمجھدار لوگ بھی بعض دفعہ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی سمجھ سے ان کے نفس کی لالچ زیادہ طاقتور ہوتی ہے، ان کے سامنے ایک آدمی ایک ایسی پیشکش کرتا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ اگر آج میں ایک ہزار روپیہ کسی کے سپرد کر دوں یا فلاں کام میں لگا دوں تو کل یہ دس ہزار روپیہ ہو جائے گا۔ عقل اگر لالچ سے قوی ہو تو یہ کہے گی کہ ہاں ہو تو سکتا ہے، بعض صورتوں میں بڑھ جایا کرتا ہے لیکن چونکہ غیر معمولی بات ہے اس لئے میں پوری چھان بین کروں گا۔ چونکہ ایسی صورت میں یہ خطرہ بھی ہے کہ میرا روپیہ ضائع ہو جائے اس لئے میں ہر احتمال کا دروازہ بند کر دوں گا اور پھر فیصلہ کروں گا۔ جب وہ اس قسم کی بات کرتا ہے تو وہ دیکھے گا کہ ہمیشہ دھوکا باز بعد میں اس کو کہے گا کہ جلدی ہے، بہت جلدی ہے وقت ہاتھ سے نکل رہا ہے تمہیں فیصلہ کرنا ہے تو آج کر و ورنہ بس پھر نہ میرے پاس آنا۔ اس وقت پھر عقل کی اور دل کی لالچ کی لڑائی ہو جاتی ہے۔ دل کی لالچ کہتی ہے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا، اس پیسے کو کھا جاؤ فوراً لے لو یہ جو آنے والا پیسہ ہے اس کو یقینی بنالو اور عقل کہتی ہے کہ افراتفری میں ایسے کام نہیں کرنے چاہئیں جب تک پوری احتیاط نہ ہو اس وقت تک ہمیں اپنے اموال کو داؤ پہ نہیں لگانا چاہئے۔ یہ عقل کا پیغام ہے اندرونی۔ اس وقت جب انسان فیصلہ کرتا ہے کہ ہاں مجھے کر لینا چاہئے تو دراصل وہ یہ فیصلہ کر رہا ہوتا ہے کہ یہ ایک جوًا ہے۔ عام حالات میں یہ چیز ممکن نہیں ہے اس کا نفس ساتھ ہی یہ فیصلہ دے دیتا ہے۔ اگر اس کا نفس یہ فیصلہ دیتا ہے کہ عام حالات میں ممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ پھر جلدی کیا ہے۔ اگر عام حالات میں ممکن ہے تو آج جس طرح ممکن ہے کل بھی ممکن ہوگا۔ اس شخص کے ذریعے ممکن ہے تو ایک دوسرے شخص کے ذریعے بھی ممکن ہے۔ اس لئے دراصل وہ اس وقت یہ فیصلہ کر رہا ہوتا ہے کہ یہ عام حالات میں ممکن نہیں ہے اور جہاں تک خطرے کا تعلق ہے میں جانتا ہوں لیکن جوًا ہے اس لئے کیوں نہ اس وقت جوًا

کھیل جاؤں تو قرآن کریم کی کسی حرمت کو توڑے بغیر وہ اپنا نقصان نہیں کرسکتا۔ یہ ہے نفس کے دھوکے کا مضمون۔ قرآن کریم نے جو حرمتیں قائم فرمائی ہیں وہ آپ کی حفاظت کے لئے قائم فرمائی ہیں اور اگر آپ ان حرمتوں کو نہ توڑیں اور ان کے خلاف اپنے نفس کو بغاوت نہ کرنے دیں تو آپ مقام محفوظ میں ہیں پھر کوئی دشمن آپ پر حملہ نہیں کرسکتا۔ یہ وہ بیماریاں ہیں اموال کی جو اکٹھی چلنے والی ہیں۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ جہاں بددیانتیاں عام ہوں وہاں قمار بازی کا رجحان بھی بڑھ جاتا ہے اور جوؤں کے اڈے بننے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ ساری بیماریاں جو اموال سے تعلق رکھتی ہیں یہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر اکٹھی چلتی ہیں۔ چنانچہ جہاں تک میرا جائزہ ہے قادیان میں بھی، ربوہ میں بھی اور پاکستان کے اور شہروں میں بھی وقتاً فوقتاً قمار بازی کے رجحان پیدا ہوئے ہیں اور جماعت نے ان کے خلاف جدوجہد کی ہے اور جب ہم نظر بند کر لیتے ہیں یا انتظام ان باتوں کو نظر انداز کرنا شروع کر دیتا ہے تو یہ پھر پھیلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

ربوہ میں میرے علم میں ہیں وہ لوگ جو ایسے رجحان پیدا کرتے ہیں اور جن کے گھر ایسے اڈے بنتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ جی ہم تو وقت گزارنے کے لئے تاش کھیل رہے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ تاش نہیں کھیل رہے ہوتے تاش کے ساتھ پیسے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور دور دور سے کہیں سرگودھا سے، کسی چک سے، کسی اور مقام سے لوگ ان کے خاص جوان اڈوں پر آنے کے عادی ہیں وہاں پہنچتے ہیں اور جب وہ نظام ان سے پوچھتا ہے تو کہتے ہیں یہ ہم نے ذرا مشغلہ لگایا ہوا ہے اور کیا کریں۔ یہ جھوٹ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قمار بازی پھر آگے پھیلتی ہے پھر نوجوان نسلیں تباہ ہوتی ہیں اور قمار بازی کے ساتھ چوری کا پیدا ہونا بھی ایک لازمی بات ہے۔ دوسرے کو دھوکا دینا بھی اس کے نتیجے میں از خود پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قمار بازی اور دوسرے کے مال کی حرمت کا احترام اٹھ جانا یہ ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہوئے ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔

پس ایسے اڈے اور جگہ بھی ہوں گے، بنتے بھی ہیں بگڑ بھی جاتے ہیں لیکن جب یہ اڈے بنے ہوئے ہوں اور عام دستور بن رہے ہوں اور نظام جماعت یا معاشرہ ان کے خلاف ردعمل نہ دکھائے تو پھر یہ خطرناک اور مہلک ہو جاتے ہیں ورنہ کسی نہ کسی رنگ میں کہیں تھوڑے اور کہیں زیادہ

یہ معاشرے میں چلنے والی چیزیں ہیں۔ یہ کہنا کہ معاشرہ ان سے کلیۃً پاک ہو چکا ہے یہ جھوٹ ہے۔ جو معاشرہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بعض بیماریوں سے کلیۃً پاک نہیں ہوا وہ معاشرہ دنیا میں کبھی کسی زمانہ میں بھی ان بیماریوں سے کلیۃً پاک نہیں ہوسکتا۔ اس بنیادی اصول کو پیش نظر رکھیں۔ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر دو قسم کے ردعمل پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جی! یہ ہوتا ہے، چلتی ہیں یہ چیزیں اس لئے کیا فرق پڑتا ہے ہونے دو۔ یہ وہ ردعمل ہے جو ہلاکت کا ردعمل ہے۔ میں اس غرض سے یہ باتیں نہیں کہہ رہا۔ میں اس غرض سے آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ غافل نہ ہوں۔ اگر یہ چیزیں آپ کو ظاہری نظر میں دکھائی نہ بھی دے رہی ہوں تو یہ نہ سمجھیں کہ موجود نہیں ہیں۔ اس لئے نگرانی کی نظر کو سونے نہ دیں اور جو ادارے ان چیزوں پر مقرر ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ان باتوں پر نگاہ رکھیں۔ ان بیماریوں نے کسی نہ کسی شکل میں ہر معاشرے میں موجود رہنا ہے یا کم ہوں گی یا زیادہ ہوں گی اور یہی حال دنیا کی بیماریوں کا ہے جو انسانی اجسام سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ تو روحانی بیماریاں ہیں اجسام کی بیماریاں بھی اسی طرح ہوتی ہیں۔ ہر انسان میں کچھ نہ کچھ بیماریوں کے کیڑے ہر وقت موجود ہیں۔ اگر جسم صالح ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہ بیماریاں موجود ہیں تو ان کے خلاف وہ نگران رہتا ہے۔ جہاں جسم میں فساد پیدا ہوا اور جہاں یہ بیماریاں جسم کی نظر سے اوجھل ہو جائیں وہاں یہ بیماریاں قبضہ کر جاتی ہیں۔

میں جو کہہ رہا ہوں جسم کی نظر تو یہ کوئی ایک فرضی بات نہیں ہے۔ واقعۃً اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کو ایک نظر عطا کی ہوئی ہے جو ہر قسم کی بیماریوں کا تتبع کرتی ہے اور ہر وقت نگران رہتی ہے، ہر وقت سرچ لائٹ کی طرح دیکھتی رہتی ہے کہ کہاں کون سی بیماری کس حد تک موجود ہے اور اس کے دفاع کے لئے پھر وہ جسم کے متعلقہ حصوں کو متنبہ کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ جو انسان کا Immune System ہے اگرچہ اس کا دماغ سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہمارے شعور سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی انسان کے خون کے اندر جو دفاعی نظام ہے اس کو Immune System کہتے ہیں۔ اس کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ دماغ کو معلوم ہے کہ نہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے لیکن اندرونی طور پر وہاں خدا نے ایک نظر کا انتظام فرمایا ہے، ایک نگرانی کا انتظام فرمایا ہے۔ کچھ جسم کے بظاہر بے شعور حصے یا خلیے ہر وقت دوڑا کرتے ہیں خون کے ذروں کے ساتھ اور یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ کہاں کون سی بیماری کس حد تک پائی جاتی ہے۔ بعض بیماریوں کے خلاف وہ اس طرح ردعمل کرنے کا آرڈر دیتے ہیں

یعنی اطلاع دیتے ہیں ان حصوں کو جو اس بات پر نگران ہیں کہ یہ بیماری اس نوعیت کی ہے کہ اس کا بائیکاٹ کر دیا جائے اور اس کے ارد گرد ایک خول چڑھا دیا جائے تا کہ اس کا صحت مند جسم سے تعلق ٹوٹ جائے۔ چنانچہ جس کو ہم عام جماعتی اصطلاح میں مقاطعہ کہتے ہیں وہ جسمانی اصطلاح میں Sist کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔خول چڑھ جاتے ہیں بعض بیماریوں پر اور ان خولوں کے اندر اس کو بند کر دیا جاتا ہے تا کہ اس کا باقی جسم سے بائیکاٹ ہو جائے۔اس کے بعد اس کو وہاں رہنے دیا جاتا ہے تو پھر اس کے خلاف کوئی خطرہ نہیں۔

ایک اور نظام جسم کا یہ ہے کہ بعض بیماریوں کے متعلق وہ ذرے یہ پیغام بھیجتے ہیں جو نگران ہیں کہ ان کی شکل ایسی ہے کہ یہ قید نہیں رہ سکتے انہوں نے ضرور فتور پھیلانا ہے۔اس لئے علاج یہ ہے کہ ان کو جسم سے باہر نکال کر پھینک دیا جائے۔ چنانچہ اخراج از جماعت جس کو آپ کہتے ہیں وہ جسمانی لحاظ سے یہ شکل رکھتا ہے اور کوئی بھی ہم ایسا نظام نہیں رکھتے جس کی مثال خدا تعالیٰ کے نظام قدرت میں موجود نہ ہو۔اب جسم کو یعنی ہمارے جسم کو جب بھی کوئی چوٹ لگتی ہے یا کسی قسم کے جراثیم اس میں داخل ہو جاتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے سرخی آتی ہے پھر سرخی کے بعد وہ ابھار ہوتا ہے ایک اور آپ سمجھتے ہیں کہ یہ پھوڑا بن رہا ہے پھر وہ پھوڑے میں اگر جسم صحتمند ہو کچھ تبدیلیاں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ پہلے بہت تکلیف ہوتی ہے، کسک ہوتی ہے اس تکلیف کے بعد اس کے ارد گرد سفیدی سی آنے لگتی جس کو ہم پیپ کہتے ہیں۔ پھر وہ پک جاتا ہے پھر وہ پیپ جسم سے باہر نکلتی ہے اور آپ کو سکون آجاتا ہے۔ بخار ختم ہو جاتا ہے۔ یہ وہ نظام ہے جو جسم کی حفاظت کے لئے اندرونی طور پر کیا جارہا ہے اور ہر زندہ وجود میں موجود ہے لیکن Conscious دماغ سے یعنی باشعور سوچ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس پر نگران موجود ہیں وہ کس نظر سے دیکھ رہے ہیں ہم نہیں جانتے لیکن سائنسدان اس بات کو جان چکے ہیں اور اس کی خوب پڑتال کر چکے ہیں کہ دیکھنے والے یعنی باخبر رہنے والے ذرے ایسے موجود ہیں جن کا نہ کوئی دماغ ہے، نہ ان کے اندر کوئی نروس سسٹم ہے لیکن کچھ ایسا خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے اندر پیغام چھپا ہوا موجود ہے جس کے ذریعے ان کو یہ طاقت ہے کہ وہ دیکھتے رہیں، نگرانی کرتے رہیں اور پیغام بھیجتے رہیں اور بالکل صحیح پیغام بھیجتے ہیں۔

اس پر اگر آپ غور کریں تو ہمارے نظام جماعت کے لئے اس میں بہت سی نصیحتیں ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان باتوں کی خبر رکھنا ضروری ہے۔ جسم کے جن حصوں میں بیماری داخل ہو جائے اور خبر نہ ہو وہاں جسم کا کوئی ردعمل نہیں ہوتا۔ اس لئے جہاں جہاں نظام جماعت خبر گیری سے غافل ہو جاتا ہے وہاں یہ بیماریاں پنپنے لگتی ہیں۔ چنانچہ افسوس کی بات یہ ہے کہ مجھے اس نظام کے ذریعے پتا چلتا ہے جو خدا تعالیٰ نے خلافت کی حفاظت کے لئے ازخود جاری فرما دیا ہے۔ ہر احمدی جہاں کوئی غلط بات دیکھتا ہے مجھے خط لکھ دیتا ہے۔ اس لئے میں باخبر تو رہتا ہوں لیکن جو نظام کا حصہ اس بات پر مامور تھا کہ ان باتوں کی خبر رکھے اور مجھے مطلع رکھے وہ غافل ہے۔ بسا اوقات یہ اطلاعیں انفرادی خطوط کے ذریعے مجھے ملتی ہیں جماعتی اطلاعوں میں یہ شامل نہیں ہوتیں۔ میں نے اس سے پہلے بھی جماعتوں کو نصیحت کی تھی کہ سچائی میں عزت ہے۔ اگر اس خیال سے آپ یہ خبریں نہیں دیتے کہ آپ کی بدنامی نہ ہو یا مجھ پر برا اثر نہ پڑے کہ جماعت لاہور یا جماعت ربوہ یا جماعت کراچی میں یہ یہ کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ یہ آپ اپنی جان پر ظلم کر رہے ہیں اور جماعت پر ظلم کر رہے ہیں۔ ساری زندگی کا راز سچائی ہے۔ آپ باخبر رہیں اور مجھے مطلع رکھیں تکلیف آپ کو پہنچتی ہے اور مجھے بھی پہنچتی ہے لیکن یہ تکلیف ہماری بقا کے لئے ضروری ہے، اس بات کو نہ آپ بھولیں۔ اگر آپ مجھے اس لئے نہیں بتاتے کہ مجھے تکلیف نہ ہو تو پہلے نیت کے نسبتاً یہ بہتر ہے لیکن درست یہ بھی نہیں۔ خدا نے جو تکلیف میرا مقدر بنائی ہے جو میری ذمہ داری ہے اس سے آپ مجھے کس طرح بچا سکتے ہیں۔ اگر آپ نہیں بتائیں گے تو دوسرے بتائیں گے اور جیسا کہ میں نے ابھی آپ کے سامنے نقشہ کھینچا ہے ایک پھوڑے بننے کا وہاں خاص طور پر اس بات کا ذکر کیا تھا کہ بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ تکلیف ہی حفاظت کا انتظام کرتی ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو بیماری سے تو وہ ذرات جن کا کام ہے اس بیماری کا مقابلہ کرنا وہ حرکت میں ہی نہیں آتے۔ بعض دفعہ تکلیف کے نتیجے ہی میں اطلاع ملتی ہے ان کو اور بعض دفعہ جب وہ حرکت میں آتے ہیں تو اس کے نتیجے میں کچھ تکلیف قدرتاً پہنچتی ہے اور یہ تکلیف لازمہ ہے ایک صحت کا۔ اسی لئے بعض لوگ کہتے ہیں جی! خدا تعالیٰ نے یہ اتنی بیماریاں بنا دیں، انسان کو یہ مصیبتیں ڈالیں ان بیوقوفوں کو یہ نہیں پتا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کے لئے یہ تکلیفیں رکھی ہیں۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح: ۷) کا جو عظیم الشان مضمون بیان ہوا ہے اس کا یہاں بھی اطلاق ہوتا ہے۔ ہر آسانی سے پہلے کسی تکلیف میں سے گزرنا ضروری ہے۔ یہ ایسا قانون قدرت ہے جس کو کوئی

دنیا کی طاقت بدل نہیں سکتی۔ وہ لوگ جو بغیر تکلیف کے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ ہماری تقدیریں بدل جائیں گی، ہم عظیم الشان مرتبوں کو حاصل کرلیں گے وہ جاہلوں کی خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں حقیقت کی دنیا میں نہیں رہتے۔ قانون قدرت جو خدا نے بنایا ہے اس میں کوئی تبدیلی آپ نہیں دیکھیں گے۔ اس لئے وہ معاشرہ جو حساس ہے اور جو تکلیف محسوس کرتا ہے وہ بیماریوں کو دور کرنے کی اہلیت بھی رکھتا ہے۔ جہاں تکلیف اٹھ جائے وہ معاشرہ اس بات کا اہل ہی نہیں ہے کہ وہ بیماریاں دور کر سکے۔

اس لئے نہ صرف یہ کہ آپ اس مضمون کو سمجھ کر مجھے یہ تکلیف پہنچائیں تاکہ میرے دل میں ردعمل پیدا ہو اور میں اس کے لئے کوشش کروں بلکہ یہ نظر رکھیں کہ معاشرہ تکلیف محسوس کر رہا ہے یا نہیں کر رہا۔ فالج زدہ جسم اور غیر فالج زدہ جسم میں یہ ایک فرق ہے۔ مفلوج حصے تکلیف نہیں محسوس کرتے تو کیا وہ شخص جو مفلوج ہو گیا ہے وہ اس بات پر خوش ہوگا کہ مجھے اب درد کبھی نہیں ہوگی؟ جب وہ صحت مند تھا ہو سکتا ہے وہ خدا پر اعتراض کیا کرتا ہو کہ عجیب تقدیر ہے کہ مصیبت پڑی ہوئی ہے، فلاں جگہ دکھ اور فلاں جگہ مصیبت، یہ بچے روتے ہیں، بلبلاتے ہیں ان کا کیا قصور ہے۔ وہ اس نظام کو سمجھتا نہیں کہ اسی میں اس کی زندگی کی حفاظت ہے اور جب اس کا جسم مفلوج ہو جاتا ہے پھر وہ روتا ہے کہ کاش مجھے تکلیف پہنچے۔ وہ سوئیاں چبھوتا ہے، چٹکیاں کاٹتا ہے، اپنے جسم کو ملتا ہے، مروڑتا ہے دیکھنے کے لئے کہ کیا مجھے تکلیف پہنچتی ہے کہ نہیں اور جب اس کو تکلیف ہونا شروع ہو پھر اس کی جان میں جان آتی ہے تو یہ تکلیف حفاظت کی خاطر ہے۔ اگر ہماری جماعتوں میں احساس بدی کو دیکھنے کے بعد تکلیف ہونا بند ہو جائے تو آپ یقین سمجھیں کہ یہ فالج زدہ جماعتیں ہیں۔ وہ معاشرہ مفلوج ہو رہا ہے۔ اس کی فکر کرنی چاہئے۔ اس لئے میں اس مضمون کو بقیہ پھر انشاء اللہ بیان کروں گا کیونکہ ایک لمبا مضمون ہے اگلے خطبے میں بھی یہ جاری رہے گا۔ اس وقت میں آپ کو یہ بنیادی باتیں بتانا چاہتا ہوں کہ جن برائیوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان برائیوں سے مقابلے کے لئے پہلے نیتوں کا درست کرنا ضروری ہے جس کے متعلق میں ذکر کر چکا ہوں پھر اپنے احساس اور شعور اور نگرانی کے نظام کی حفاظت ضروری ہے اور یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہمیں تکلیف پہنچ رہی ہے کہ نہیں۔ اگر تکلیف پہنچ رہی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اسی تکلیف سے زندگی پیدا ہوگی اور اگر خدانخواستہ تکلیف ہونا بند ہو گئی ہے تو پھر اس سے زیادہ فکر کی ضرورت ہے۔ اللہ ہمیں اس عظیم ذمہ داری کو ادا کرنے کی توفیق بخشے جو ہم پر نہ صرف اپنی اصلاح کی بلکہ غیروں کی اصلاح کی بھی عائد کی گئی ہے۔